Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"دنیا رنگ رنگیلی مولا، دُنیا رنگ رنگیلی----" کسی نے آہستہ آہستہ تالی بجاتے ہُوئے گانا شُروع کر دیا۔ "ایسی خبریں اکثر جھوٹی ہوتی ہیں۔"

"زیادہ تر سچی ہوتی ہیں۔ جہاں پروپیگنڈا ہو وہاں فرق ہوتا ہے۔ "عجوبہ روزگا" کے کالم میں نامہ نگار کو جھوٹ کہنے کی کیا ضرورت ہے؟"

"انگریزی اخباروں میں سب سے زیادہ جھوٹ ہوتا ہے۔"

اسی طرح یہ بات چیت کوئی آدھ گھنٹے تک جاری رہی۔ پھر اپنی موت آپ مرگئی۔ تُمہیں یہ گفتگو لایعنی اَور مضحکہ خیز معلوم ہوگی، مگر ہمارے لئے یہ اِنتہائی دلچسپی کا باعث تھی۔ کیونکہ ہمیں اُس روز گوشت ملنے والا تھا۔ ہم اِس موضوع کو زیادہ سے زیادہ دیر تک زندہ رکھنا چاہتے تھے۔ خُوش وقتی کا اِس سے بہتر سبب اَور کوئی نہ تھا۔ صرف کیپٹن سلطان نے اِس میں کوئی حِصّہ نہ لیا۔ اُس نے جب بات کا رُخ بدلتا دیکھا تو خاموش ہوگیا، سارا وقت وہ ٹھوڑی مٹھی پہ ٹکائے دروازے سے باہر دیکھتا رہا۔

جب میں رات کے اندھیرے میں سو نہیں سکتا تو کبھی کبھی مُجھے جاگتے دیکھ کر وہ شے جسے ضمیر کہتے ہیں، اُٹھ بیٹھتی ہے۔ اُس وقت مُجھے خیال آتا ہے کہ ہمارے درمیان کم از کم اِس ایک شخص نے اَپنے ذہن کو، یا روح کو، یا نام خواہ کوئی بھی دے لیں، مگر اُس چیز کو جو ہمارے اَندر جذبے کو زندہ رکھتی ہے، اُسے اِس شخص نے زندہ رکھا ہُوا ہے، خبر نہیں کتنی مصیبت میں ہوگا۔ مُجھے اُس پہ رشک آنے لگتا ہے۔ مگر ہمارے پاس رشک کرنے کے لئے اتنے سارے لوگ ہیں، گارڈ ہیں، اِنڈین آفیسر ہیں، ریڈ کراس والے ہیں، سارے آزاد ملکوں کے آزاد باشندے ہیں، اَور اِس کے ساتھ ملا ہُوا رنج ہے، جو اب گو کافی حد تک کند ہو گیا ہے مگر جس کی ملاوٹ ابھی باقی ہے۔ ہمارے پاس اِن چیزوں کی اِتنی بھیڑ ہے کہ کسی ایک پر رشک کرنے کا وقت نہیں ہے۔

کل تو کیپٹن سلطان نے انتہاء کر دی۔

"میں نے ایک واقعہ دیکھا تھا" وہ کہنے لگا۔

"کب؟"

"سرنڈر سے پہلے کی بات ہے۔"

ہم دم سادھے بیٹھے رہے تو سلطان نے خُود ہی بات شُروع کی۔ "ہمارے چیف

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

نے ایک جوان کو تھپڑ مارا تھا۔ آپ نے سُنا ہو گا۔"

ہم چپ بیٹھے رہے، گو ہم نے یہ واقع سن رکھا تھا۔ مگر تفصیل ہمیں معلوم نہیں تھی۔

"اُس نے جوان سے ایک سوال پُوچھا تھا،" سلطان نے بات جاری رکھی، "جوان نے اِس کا نفی میں جواب دیا تو ٹائیگر صاحب نے ایک زوردار تھپڑ اُس کے مُنہ پر رسید کرتے ہوئے کہا، "جا اوئے خُسرے۔" وہ سوال یہ تھا، 'جوان، تم نے کتنی----"

اِس سے آگے کی بات اِتنی ڈِسگریسفل ہے کہ میرا اُلٹا قلم بھی اِس کی تاب نہیں لا سکتا۔ "سلطان،" آخر میجر گل نواز، جو سب میں سینئر میجر ہے، بولا، "تمہارے اُوپر کم از کم تین چار چارج لگتے ہیں۔ اِنسبار ڈی نیشن، سلانڈر، برنگنگ اے سینئر آفیسر اِنٹوڈس رپیوٹ، میونی نس بی ہیویئر۔ اگر تم نے ایسی باتیں کرنی ہی ہیں تو کسی اَور سے جا کر کرو، یا اَپنے آپ سے کرو۔ ہمارے ساتھ مت کرو۔"

سلطان اُٹھ کھڑا ہُوا۔ "میں نے سوچا کہ سب آفیسرز کو اِس واقعہ کا علم ہونا چاہئے،" جاتے جاتے وہ بولا، اَور میس کی بیرک سے نِکل گیا۔

مجھے ایک تند اَور تیز سا احساس ہے کہ کیپٹن سلطان گہرے اَور خطرناک پانیوں کی جانب رواں ہے----

"یہاں پہنچ کر سرفراز کی انگلیاں تھک گئیں۔ اُس نے قلم سیدھا کیا اَور کارڈ پر اَپنے پچیس لفظ لکھنے شُروع کر دیئے: "پیاری نسیمہ----

میری پیاری۔ میرا پچھلا خط تُمہیں کافی دیر کے بعد ملا ہو گا۔ اَور مجھے یہ بھی پتا ہے کہ تم نے باقاعدگی سے مجھے خط لکھے ہونگے، مگر مجھے ایک بھی نہیں ملا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ہماری فرار کی سکیم ناکام ہو گئی تھی اَور سزا کے طور پر، باقی باتوں کے علاوہ، تین مہینے کے لئے ہماری ڈاک بند کر دی گئی تھی۔ اب سزا کا پیریڈ ختم ہو چُکا ہے۔ اِس لئے اُمید ہے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کہ حسب معمول کم از کم ایک تہائی ڈاک مِل جایا کرے گی۔ کیپ یور فِنگرز کراسڈ۔

ہر قیدی کے دِل میں فرار کی خواہش سب سے اُوپر ہوتی ہے۔ اَور جنگی قیدی کے دِل میں تو خاص طور پہ ہوتی ہے، کیونکہ اُسے فرار کی کوشش کا حق دیا گیا ہے۔ ہم سب کے دِل بھی پہلے دِن سے نِکل بھاگنے کے متلاشی تھے۔ مگر اِس کا کوئی عملی سرا ہاتھ میں نہ آتا تھا۔ ہماری ایسکیپ پلان کی صورت اُس روز بنی جب شاہ زمان نے رات کے کھانے کے بعد ہم پانچ آدمیوں کو اَپنے گرد اِکٹھا کیا اَور دھیمی آواز میں بات کی۔

"تنور دیکھا ہے؟"

"ہاں۔" ہم نے کہا۔

"پکّا ہے،" شاہ زمان بولا۔ "اگر حساب سے الگ کیا جائے تو باہر آ سکتا ہے۔"

"آ تو سکتا ہے۔ مگر۔۔۔۔"

"مگر وگر کچھ نہیں،" شاہ زمان نے کہا، "مہارت کی ضرورت ہے۔ یہ کام میرے اُوپر چھوڑ دو۔ ایک بار سالم حالت میں باہر نِکل آیا تو پھر واپس اَندر داخل بھی کیا جا سکتا ہے۔"

"اگر ٹوٹ گیا تو؟"

"پھر اگر، مگر،" شاہ زمان صبر سے بولا۔ "بھئی ٹوٹ گیا تو ٹوٹ گیا۔ آگ کی وجہ سے مٹی کے تنور ٹوٹتے ہی رہتے ہیں۔ بلکہ یہ تنور تو میں نے ایگزامن کیا ہے، سینڈ سٹون کا بنا ہوا ہے، اِس کے ٹوٹنے کے چانس کم ہیں۔ بہرحال، ٹوٹ گیا تو فرض کر لیا جائے گا کہ خود بخود ٹوٹ گیا ہے اَور ری پلیس کر دیا جائے گا۔ اگر ثابت نِکل آیا تو ہمارا کام ہو جائے گا۔ اِس کے نیچے سرنگ لگائی جا سکتی ہے۔"

بات ہماری سمجھ میں آ گئی۔ اِس کے بعد پلان بنانے میں کوئی دقت نہ لگا۔ اپنی بیرک کے چھ آدمیوں میں سے کسی کو باہر نہ رکھا جا سکتا تھا۔ اُس کے بعد دو باورچی اَور اُن کے تین ساتھیوں کو ملانا بھی ضروری تھا۔ شاہ زمان انجینئرز کا آدمی تھا، مگر اُسے ایک اسسٹنٹ کی ضرورت تھی جو سرنگ کی دیواروں اَور چھت کو اِیستادہ رکھنے میں ٹیکنیکل معاون کا کام کرے، چنانچہ کیپٹن سلطان کو شامل کر لیا گیا جو ایف ایس سی کرنے کے بعد انجینئرنگ کالج میں ایک سال لگا کر فوج میں آیا تھا۔ میجر گل نواز ایک روز ہماری بیرک میں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

آوارد ہوا، اَور بولا، "میرا دِل کہتا ہے کہ اَندر ہی اَندر کچھ پک رہا ہے۔" وہ اُس وقت تک نہ اُٹھا جب تک کہ اُس نے ہماری سازش کا علم حاصل نہ کرلیا۔ آخر میں لفٹننٹ ذوالفقار محض اِتفاق سے ہمارے ساتھ شریک ہُوا۔ ایک روز رات کے وقت ہم ابتدائی کارروائی میں مصروف تھے کہ ذوالفقار باورچی خانے میں دبے پاؤں داخل ہوا اَور ہمارے تین آدمیوں کو اندھیرے میں کام کرتے ہُوئے دیکھ کر ٹھٹک گیا۔ اُس وقت میں بھی وہاں موجُود تھا۔ ہم نے اُسے پکڑ کر وہیں کھڑا کرلیا۔ پہلے وہ کچھ دیر تک گنگ کھڑا دیکھتا رہا۔

"آئی ایم سوری،" پھر وہ بولا۔

"اِس وقت یہاں کیا کرنے آئے تھے؟" میجر شاہ زمان نے درشتی سے پُوچھا۔

ذوالفقار بتاتے ہُوئے جھجک رہا تھا، مگر دوبارہ پُوچھے جانے پر شرمندہ سا ہو کر بولا، "میں دیکھنے آیا تھا۔"

"کیا دیکھنے آئے تھے؟"

"کہ کوئی،" وہ رُک رُک کر بولا، "شاید روٹی کا ٹکڑا بچا ہُوا مِل جائے۔"

اب اُس کا الگ رکھنا ناممکن تھا۔ اِس طرح ہماری پلان میں کل چودہ آدمی شامل ہوگئے۔ سکیم یہ تھی: ہمارے کھانے کا کمرہ باورچی خانے کے ساتھ تھا۔ جہاں میزیں اَور سٹول پڑے تھے۔ ہر روز رات کو تین آدمیوں کی ڈیوٹی لگا دی جاتی کہ کھانے کے بعد اپنی بیرک میں واپس آنے کی بجائے حیلے بہانے سے وہیں پر رُکے ہُوئے بیٹھے رہیں۔ پھر وقت مقررہ پر لائٹ آف کے بعد مزید ایک ڈیڑھ گھنٹہ اندھیرے میں بیٹھے اِنتظار کریں۔ جب گارڈز کو تسلی ہو جائے کہ سب اَپنے اَپنے کمروں میں جا چکے ہیں، تو پھر وہ اَپنا کام شُروع کریں۔ پہلے چار دِن تنور کو الگ کرنے میں لگ گئے۔ بظاہر وہ کہیں سے تڑخا ہُوا نظر نہ آتا تھا، مگر بقول شاہ زمان کے، پتھر کا "اِنفراسٹرکچر" مسلسل آگ کی وجہ سے ختم ہو چُکا تھا اَور ذرا سا جھٹکا لگنے سے ٹوٹنے کا احتمال تھا۔ دُوسرے وہ حدت کی اِنتہاء سے اَپنے اردگرد کی گیلی مٹی سے مضبوطی کے ساتھ چمٹ چُکا تھا۔ چنانچہ اُس کے چاروں طرف کی مٹی چاقوؤں چھریوں کی مدد سے ایسی باریکی اَور مہارت سے کاٹنی پڑی جیسے سنار نازک زیوروں پر کام کرتا ہے۔ آخر چار روز کی محنت کے بعد بسم اللہ پڑھ کر اُسے صحیح سالم گڑھے سے اُٹھا لیا گیا۔ نیچے مٹی کی پتلی سی سخت تہہ کے بعد زمین نرم تھی۔ سرنگ کھودنے کے لئے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

صرف دو آدمی تھے، مگر بھاری تنور کو ہر روز اُٹھانے، اَور "شفٹ" ختم ہونے کے بعد اُسے دوبارہ احتیاط سے اپنی بنیادوں پر رکھنے کے لئے کم از کم تین آدمیوں کی ضرورت پڑتی تھی۔ شاہ زمان اَور سلطان میں سے ایک نہ ایک کو ہر روز نگہداشت کی خاطر موجُود رہنا پڑتا تھا تاکہ سرنگ منہدم نہ ہونے پائے۔ چونکہ اِن دونوں کی ڈیوٹی باقیوں کی نسبت زیادہ مسلسل تھی اِس لئے وہ اصل کھودنے کا کام نہ کرتے تھے صرف معائنہ کرنے یا تنور کو اُٹھانے اَور رکھنے میں مدد دیتے تھے۔ ڈیوٹی والے دو آدمی ہر روز رات کو باری باری سرنگ میں داخل ہو کر چمچوں، کڑچھوں اَور چھری کانٹوں کی مدد سے سرنگ کاٹتے تھے۔ خُوشی قسمتی سے اِس زمین کی مٹی چکنی تھی اِس لئے چھت اَور دیواروں کو گرنے سے بچانے کے لئے انجینئرز کو زیادہ تگ و دو نہ کرنی پڑی۔ کبھی کبھی جب زمین میں گڑا ہُوا کوئی پتھر سامنے آ جاتا تو شاہ زمان یا سلطان رینگتے ہُوئے جاتے اَور پتھر کو پار کرنے کا سبب کرتے۔ پتھر اگر ہٹ سکتا تو ہٹا دیا جاتا، ورنہ رخ موڑ کر سرنگ پتھر کی بغل سے گزُارنی پڑ جاتی تھی۔ شرُوع ہی میں ہم نے خُوب اچھی طرح سے دیکھ بھال کر سرنگ کا رُخ اُس طرف کو رکھا تھا جدھر سے کھلا اَور محفوظ علاقہ نزدیک ترین پڑتا تھا۔ سرنگ کے اَندر روشنی کا اِنتظام تین چار گز فلیکس اِدھر اُدھر سے حاصل کر کے اَور اُس کے آگے پچیس وَاٹ کا بلب لگا کر کیا گیا تھا۔ جب سرنگ چلتی گئی اَور مزید تار دستیاب نہ ہو سکی تو ایک بے بی ٹارچ حاصل کر لی گئی۔ تُمہیں حیرت ہو گی کہ یہاں پر کیا کچُھ حاصل نہیں کیا جا سکتا۔ ہر افسر کو ایک سو دس روپے ماہانہ ریڈ کراس کی جانب سے الاؤنس ملتا ہے جس سے ہم صابن تیل، کنگھی، شیشہ، شیو کے لئے بلیڈ، کپڑے دھونے کا صابن اَور دُوسری چھوٹی موٹی ضرورت کی اشیاء خریدتے ہیں۔ ہم سب نے اَپنا بچا کھچا الاؤنس ملا کر پانچ سو روپے گارڈ کو دیئے جس نے ہمیں دس پندرہ روپے والی بچوں کی ٹارچ لا کر دے دی۔ ٹارچ کے لئے ہم نے یہ بہانہ پیش کیا کہ بیرکوں میں حشرات الارض پھرتے ہیں، اَور رات کو بتی بند کر دی جاتی ہے اِس لئے تاریکی میں زہریلے کیڑوں کو دیکھنے کے لئے ہمیں ٹارچ کی ضرورت ہے۔ ٹارچ بے حد کار آمد ثابت ہُوئی۔ نہ کسی پاور پوائنٹ کی تلاش، نہ مزید تار کی ضرورت، اَور نہ ہی تار اَور بلب کو چھپا کر رکھنے کی کوفت۔ ننھی سی ٹارچ جیب میں رکھی اَور سرنگ کے اَندر کام شرُوع کر دیا۔ بیٹری بچانے کے لئے ٹارچ کو کم سے کم استعمال کیا جاتا تھا۔ مٹی کے نکاس کا ایک

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

طریقہ تو عام فہم تھا جو شاید تم نے کبھی سکینڈ ورلڈ وار کی انگریزی فلموں میں دیکھا ہو۔ یعنی پتلونوں کی جیبوں میں بھر کر فجر کی نماز کے وقت، گارڈز کی نظر بچاتے ہُوئے باہر میدان کے اَندر زمین پر بکھیر دی جاتی، یا کھیتی کی گیلی کیاریوں میں بھر دی جاتی۔ پھر شاہ نواز نے ایک اَور طریقہ بھی ایجاد کیا۔ کیوں نہ کچھ مٹی باورچی خانے کی پانی کی ٹوٹی کے نیچے رکھ کر نالی میں بہا دی جائے۔ یہ طریقہ بھی کامیاب رہا۔ سرنگ کھودنا ہمارے لئے مشکل نہ رہا۔ اِس کی لوجسٹکس پہ ہم نے مکمل دسترس حاصل کر لی تھی، مگر جوں جوں یہ آگے چلتی گئی اَور ہمارا جذبہ تیز تر ہوتا گیا، مٹی کی مقدار میں اضافہ ہوتا گیا، اَور اسے ٹھکانے لگانے میں دقتیں پیش آنے لگیں۔ گارڈز کی نظر آخر ایک حد تک ہی بچائی جا سکتی تھی۔ ایک روز وہی ہوا جس کا ڈر تھا۔ مٹی بکھیرنے کے عمل سے ہی گارڈز کے شبے نے جنم لیا۔ مگر ہم بال بال بچ گئے۔ رنگے ہاتھوں کوئی پکڑا نہ گیا، کیونکہ جب تک اِطلاع پا کر افسر موقع پر پہنچے، ہم سب اَپنی جیبیں خالی کر چکے تھے، اَور تازہ مٹی پر چل چل کر زمین کے ساتھ ملا دیا گیا تھا، گو خُشک زمین پر تازہ مٹی کے چٹاخ موجُود تھے، جن کا اِنڈین افسروں نے بغور معائنہ کیا۔ اِس کے بعد اُنہوں نے ہمارے احاطے کی ایک ایک بیرک میں جا کر اُس کے کونے کونے کی تلاشی لی، باورچی خانے اَور کھانے کے کمرے کی چیزوں کو اُلٹ پلٹ کر دیا، ایک ایک انچ زمین کو ٹھوک بجا کر دیکھا، مگر تنور تک اُن کا شبہ نہ پہنچا، جسے ہم نے اِس کمال کے ساتھ جما کر رکھا ہُوا تھا کہ معلوم ہوتا تھا کبھی ہلایا نہیں گیا۔ چھ سات گھنٹے کی تفتیش کے بعد انڈین افسر خالی ہاتھ واپس چلے گئے۔ ہم نے سکھ کا سانس لیا۔ اُسی وقت آپس میں مشورہ کر کے ہم نے "آپریشن سب وے" کو چند روز کے لئے معطل کرنے کا فیصلہ کر لیا۔

مگر وقت ہاتھ سے نِکل چُکا تھا۔ شام سے کچھ پہلے انڈین افسروں کی ایک ٹیم آئی اَور اِدھر اُدھر دیکھے بغیر، سیدھی تنور پہ جا پہنچی۔ اُن کے آدمیوں نے مِل کر تنور اُٹھایا۔ نیچے سرنگ کا مُنہ کھلا تھا۔ اُسی وقت ہمارے سارے کے سارے کیمپ کے لوگوں کو فال اِن کرا لیا گیا۔ ہم سب کو حکم دیا گیا کہ اَپنے اَپنے ہاتھ باہر نکالیں۔ مجھے اپنا سکول ماسٹر یاد آ گیا جو بید مارنے سے پہلے کڑک کر کہتا تھا، ہاتھ نکالو۔ سب نے ہاتھ سیدھے کئے تو حکم ملا، اُلٹے کرو۔ اب میری سمجھ میں آنے لگا کہ کیا ہونے والا ہے۔ میں نے ایک زمانے میں جاپانیوں کے جنگی قیدیوں کے کیمپ کے بارے میں ایک کتاب پڑھی تھی جو ایک ہندوستانی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سپاہی نے لکھی تھی۔ اُس میں اِس طریق کار کا ذِکر تھا۔ اُس وقت میں اَپنے آپ کو کوس رہا تھا کہ مجھے پہلے اِس بات کا خیال کیوں نہیں آیا۔ خیر، ہم سب کے ناخن چیک کئے گئے۔ ہم اَپنے ناخن کاٹ کے بھی رکھتے تھے، اُنہیں صاف بھی باقاعدگی سے کیا کرتے تھے، مگر جو باریک مٹی کی تہہ ناخن کے نیچے جلد کے اَندر داخل ہو جاتی ہے وہ نکالے نہیں نِکلتی۔ پھر بھی اگر ہمیں وقت پہ خیال آ جاتا تو شاید چھریوں چاقوؤں سے کرید کر اور ٹوتھ برش سے رگڑ رگڑ کر کچھ نہ کچھ کر لیتے۔ مگر ہم اِس خُوش فہمی میں مارے گئے کہ تلاشی لینے والوں کے ہاتھ کچھ نہ آیا تھا اَور وہ مطمئن ہو کر جا چکے تھے۔ ظاہر ہے کہ اَندر سے کسی نے مخبری کی تھی، گو ہمیں آج تک پتا نہیں چل سکا کہ وہ کون تھا۔ بہرحال، چودہ کے چودہ آدمیوں کے ناخنوں نے ہمارا راز فاش کر دیا۔ اُس کے بعد دو ہفتے تک اِنکوائری ہوتی رہی۔ کیج کے سینکڑوں آدمیوں میں ایک ایک کا انٹرویو ہُوا۔ جب انکوائری کمیٹی کو یقین ہو گیا کہ چودہ کے علاوہ اَور کوئی اِس سازش میں شریک نہیں تھا تو ہم پر فرد جرم عائد کر دی گئی۔ سزا کے طور پر ایک ماہ کے لئے ہماری چارپائیاں چھین لی گئیں، اَور اسی عرصے تک کے لئے ہمارا راشن آدھا کر دیا گیا۔ کیج میں ایک سے زیادہ باورچی خانے ہیں۔ ہمارے باورچی خانے کو، جہاں اسی آدمیوں کا کھانا پکتا تھا، چوبیس چوبیس کلو کے دو آٹے کے تھیلے ہر روز دیئے جاتے تھے، اَور دال کی ایک مقدار مہیا کی جاتی تھی۔ اِن میں سے صحیح حساب لگا کر چودہ آدمیوں کا آدھا راشن کم کر دیا گیا۔ اِس کے علاوہ ہماری تمام تر ڈاک تین مہینے کے لئے بند کر دی گئی۔

اب ایک واقعہ سنو۔ جو ممکن ہے تمہارے لئے حیران کن ہو، مگر ہم لوگوں کے لئے جو میدانِ جنگ میں اِکٹھے رہ چکے ہیں، اچنبھے کا باعث نہیں ہے۔ جب رات کا کھانا ہمارے سامنے آیا تو معمول کی مقدار میں تھا۔ نہ روٹیوں کی تعداد کم تھی اَور نہ دال کے شوربے کی۔ اِستفسار پہ پتا چلا کہ ہمارے جوانوں نے اَپنی روٹی آدھی کر دی تھی تاکہ ہم پوری روٹی کھا سکیں۔ ہم نے جوانوں کو سمجھایا کہ بھئی ہم نے فرار کی کوشش کی تھی، جو ہمارا حق تھا، اَور ہمارے جیلروں نے ہمیں سزا دی ہے، جو ان کا حق ہے۔ ہم سزا بھگتنے کے لئے تیار ہیں، اَور دُرست بھی یہی ہے کہ جو جرم کرے وہ سزا بھگتے۔ مگر جوان ہماری ایک سننے کو تیار نہ تھے سینہ ٹھوک کر کھڑے ہو گئے اَور بولے، "سر، جب تک ہم زندہ ہیں کسی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کی مجال نہیں کہ ہمارے افسروں کو کوئی گزند پہنچائے۔" اُن سے زیادہ بحث لاحاصل تھی۔ رات کو اُن کی چارپائیاں بھی ہمارے کمروں میں پہنچ گئیں۔ ہمیں ایک رات بھی زمین پر نہ سونا پڑا۔ دو چار روز کے بعد ہمیں پتا چلا کہ چھپن جوانوں نے آپس میں چودہ چودہ کے ٹولے بنا رکھے تھے۔ ایک ٹولہ پیٹ کاٹتا تھا اَور دُوسرا زمین پہ سوتا تھا۔ اگلے روز دونوں ٹولے اَپنے فرائض کا ادل بدل کرتے تھے۔ تیسرے دِن اگلے دو ٹولوں کی باری شُروع ہوتی تھی۔ پھر پانچویں روز دوبارہ پہلے دو ٹولوں کی باری آتی تھی۔ اِن جوانوں نے ہم نو افسروں کے علاوہ باورچیوں اَور اُن کے تین ساتھیوں کے لئے بھی یہی قربانی دی۔ اِسی طرح ایک مہینہ گزر گیا اَور ہم نے سزا کا ایک دن بھی نہ کاٹا، سوائے ڈاک کی بندش کے، جس میں کوئی کچھ نہ کر سکتا تھا۔ یہی اُصول ہیں جو ہم پہ جوانوں کے ساتھ وفاداری کا فرض عائد کرتے ہیں۔ فیلڈ میں ایک افسر کے جوان اُس کے بچوں کے برابر ہوتے ہیں۔ اگر اُس کی غلطی سے ایک جوان کی جان کو نقصان پہنچ جائے تو اُسے یہ بات عمر بھر نہیں بھولتی۔ اَیسے واقعات بھی ہُوئے ہیں کہ ایکشن کے دوران ایک نوجوان افسر کی پلاٹون کا صفایا ہو گیا تو اُس نے اَپنی مرہم پٹی کرانے سے اِنکار کر دیا، اَور جب اُسے زبردستی اُٹھا کر ہسپتال میں لے جایا گیا تو اُس نے سرجن کا نشتر اُٹھا کر اپنا گلا کاٹ لیا۔ اِسی لئے ملٹری میں "افیسر اینڈ اے جنٹلمین" کی روایت قائم ہُوئی۔ اِنہی روایات کی حرمت کی خاطر سینئر افسر خاموشی سے اَپنا سروس ریوالور نکال کر اَپنا بھیجا اُڑا دیتے ہیں۔ رجمنٹ میں نیچے سے اُوپر تک سب کے درمیان یہ ایک بندھن ہے۔

افسوس کی بات ہے کہ اب اِن روایات کے تحفظ کا تصور تقریباً ختم ہوتا جا رہا ہے۔

"ڈیئرسٹ چھیمو۔" سرفراز نے قلم سیدھا کر کے اَپنا کارڈ پہ لکھنا شُروع کیا۔ "اُمید ہے کہ تم ٹھیک ہوگی۔ میری صحت بھی بالکل ٹھیک ہے۔ ہماری دیکھ بھال دُرست ہو رہی ہے۔ لالے کو سلام۔ تمہارا۔ سری۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

باب 16

اعجاز کے دماغ میں بدیع الزمان نے جو بیج بویا تھا وہ جڑ پکڑ چکا تھا۔ آخر ایک روز وہ بدیع الزمان کے دفتر جا پہنچا۔

"اِس کے گراؤنڈ ورک کے لئے تین کام ہیں، ایک تو یہ سیمپل ہے،" بدیع الزمان نے ایک چھوٹی سے کھلے مُنہ والی شیشے کی بوتل، جس میں عموماً پھلوں کے جام وغیرہ بکتے ہیں، دراز سے نکال کر میز پر رکھی۔ اِس کے مُنہ پر کپڑا رکھ کر اُوپر ڈھکنا کسا گیا تھا۔ "خوش قسمتی سے میں وقت پہ ایک ایسے آدمی کے پاس پہنچ گیا جس کا سارا کنبہ اِسے کھا کر بیمار پڑ گیا تھا۔ اُس کے پاس گھی کا ڈبہ اَور اَندر تھوڑا سا گھی بچا ہُوا رکھا تھا۔ میں دونوں چیزیں اُٹھا کر لے آیا۔ گھی یہ ہے،" اُس نے بوتل کی طرف اشارہ کیا، "اَور ڈبہ وہ کونے میں پڑا ہے۔"

اعجاز نے شیشے کی بوتل اُٹھا کر احتیاط سے اُس کا ڈھکنا کھولا، کپڑا اُٹھا کر گھی سونگھا اَور چند لمحے تک اُسے ہلا جلا کر دیکھنے کے بعد کپڑا واپس رکھ کر اُوپر ڈھکنا کس دیا۔

"کیوں، کچھ پتا چلتا ہے؟"

"اُوں ہوں،" اعجاز نے نفی میں سَر ہلایا۔ "بدیع صاحب، دراصل میں اِس کام کے لئے موزوں آدمی نہیں ہوں۔ ڈبے کا گھی نہ کبھی کھایا نہ سونگھا۔"

"ہاں بھئی، زمیندار آدمی ہو، دودھ دہی گھر کا ہے، ڈبے کی کیا ضرورت ہے، مگر۔۔۔۔"

"پہلے یہ بتایئے،" اعجاز نے بات کاٹ کے پُوچھا، "کہ آپ کو باقی کی سب چیزیں چھوڑ کر گھی کا خیال کیسے آیا؟"

"اپنے آپ سے بھئی، اَپنے آپ سے۔ خُوش قسمت ہوں کہ یہاں بیٹھا ہوں، بال بال بچ گیا۔ بات یہ ہے کہ اِز میر برانڈ گھی دو چار پیسے سستا ہے۔ ہم لوگ تو پیسے بچانے کی فکر میں زندگی گزار دیتے ہیں ناء۔ چنانچہ میں نے سوچا چلو، ٹرائی کر کے دیکھتے ہیں۔ اب تُمہیں تو اِس کو سونگھ کر کچھ پتا نہیں چلا، مگر ہم تو بناوٹی گھی کھانے والے ہیں۔ ڈبہ کھولا تو

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

خُوشبو بھی اچھی اَور ذائقہ بھی ٹھیک۔ آدھا ڈبہ بھی ختم نہ ہوا تھا کہ پیٹ میں گڑبڑ شُروع ہو گئی۔ ساتھ ہی میری بیوی بھی یہی شکایت کرنے لگی۔ پہلے تو جیسے ہم لوگوں کا دستور ہے، کوئی خیال نہ کیا، سوچا کہ موسمی خرابی ہوگی، خُود بخود ٹھیک ہو جائے گی۔ البتہ ذرا صفائی کا خیال کرنا شُروع کر دیا۔ برتن مانجھ کر، سبزیاں وغیرہ دھو دھلا کر کھانا پکنے لگا۔ مگر جب ہاضمہ سُست سے سُست تر ہوتا گیا تو پھر ڈاکٹر سے رجوع کرنا پڑا۔ اُس نے ٹیسٹ وغیرہ کروائے اَور کہا کہ نسیں سخت ہو گئی ہیں۔ سب سے پہلے تو سگریٹ بند کرو۔ میں نے کہا ڈاکٹر صاحب، جناب یہ تو میری لائف لائن ہے۔ کہنے لگا ٹھیک ہے، جلدی یہ تُمہاری ڈیڈ لائن بھی بن جائے گی۔ ڈید لائن، سنا، "بدیع الزمان آنکھیں چمکا کر ہنسا" ڈیڈ لائن! بھئی ہم اخبار نویسوں کی زندگی تو ڈیڈ لائن کے اردگرد گھُومتی ہے ناء۔ اب سمجھے؟ کیسی کمال کی بات کی میرے ڈاکٹر نے،" بدیع الزمان ہنستے، کھانستے اَور ہنستے ہنستے دُہرا ہو گیا۔ "خیر بہرحال، دُوسرے اُس نے کہا کہ گھی کھانا بالکل چھوڑ دو۔ کھانا ہے تو معمولی مقدار میں تیل کھاؤ، اِتنا تھوڑا کہ ہانڈی میں نظر نہ آئے۔ میں نے کہا کہ یہ میں کر سکتا ہوں۔ اُس دن سے گھی چھوڑ دیا۔ ایک دو ہفتے نہیں گزرے تھے کہ بدہضمی میں افاقہ ہونا شُروع ہو گیا۔ اتفاق کی بات دیکھ کہ ڈاکٹر نے گھی اس لئے بند نہیں کیا تھا کہ جو گھی میں کھا رہا ہوں وہ خراب ہے، بلکہ سب قسم کا گھی منع کر دیا تھا۔ شک مجھے اِس بات سے ہوا کہ پہلے بھی ڈبے کا گھی کھاتا تھا، صرف برانڈ دُوسرا تھا، اُس سے تو کبھی شکایت پیدا نہیں ہُوئی۔ ایک دو اَور جاننے والوں سے بھی اسی قسم کی شکایت سنی تو میں نے اُن کی خوراک کے بارے میں پُوچھا۔ پتا چلا کہ وہ بھی یہی گھی استعمال کرتے ہیں۔ سب سے پہلے تو میں نے اُن سے کہا کہ یہ گھی کھانا بند کر دیں۔ پھر میں نے اَپنے آپ سے تفتیش کرنی شُروع کر دی۔ جیسے جیسے میں چلتا گیا، میرا شک مضبوط ہوتا گیا۔ یہ ساری کہانی اَور یہ سارا قصہ ہے۔ اِس گھی کو سونگھ کے دیکھ لو، چکھ کے دیکھ لو، ہانڈی پکا کے دیکھ لو، مجال ہے جو پتا چل جائے۔ اَور یہی ساری بات ہے۔" بدیع الزمان نے میز پہ ہاتھ مار کر کہا، جس سے اُس کی انگلیوں میں دبے ہوئے سگریٹ کی راکھ میز کی سطح پر بکھر گئی۔ بدیع الزمان نے پھُونک سے اُسے نیچے گرانے کی کوشش کی۔ پھُونک کے غلط رُخ کی وجہ سے راکھ گرنے کی بجائے ذرہ ذرہ ہو کر ساری میز اَور کاغذوں پہ پھیل گئی۔ اُس نے اِن ذروں کے اُوپر اُوپر ہاتھ ہوا میں ہلا کر اُنہیں اُڑانے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کی ناکام کوشش کی، پھر اُسے نظر انداز کر کے اُس سے پیچھا چھڑا لیا۔ "خیر بہرحال،" وہ بولا، "یہ بعد کی بات ہے۔ اب یہ قصہ سرے سے شروع کرنا پڑے گا۔ سب سے پہلے تو اِس سیمپل کا انالسس ہو گا۔ ایک نہیں بلکہ دو با اعتبار لیبارٹریوں سے، تاکہ موازنے کے لئے دو انڈی پنڈنٹ رپورٹیں موجود ہوں۔ اِس کے بعد اُس ڈاکٹر سے بات کرنے کی ضرورت ہے جس نے اِن بیماروں کا علاج کیا ہے۔ میں نے اُس کا نام پتا حاصل کر لیا ہے۔ اِس معاملے میں انتہائی احتیاط سے کام لینے کی ضرورت ہے۔ یہ لوگ ایسے معاملات میں پڑنے سے گھبراتے ہیں جس میں کسی لیگل ایکشن کا ڈر ہو۔ پریس کے ساتھ تو وہ پبلسٹی کے ڈر سے ہی بات نہیں کرتے۔ ہمارے پیشے میں سب سے دِقت طلب بات یہی ہے، کہ لوگوں سے حقیقت کیسے اُگلوائی جائے۔ اُنہیں بات کرنے پر کیسے اُکسایا جائے۔ لوگ بولتے ہوئے ڈرتے ہیں۔ اِسی لئے سب سے بہترین جرنلسٹ وہ ہے جو لوگوں کا مُنہ کھلوائے، اُن کے دِل سے ڈر دُور کرے۔ یہ تمہارے جیسے تجربہ کار اور بااثر آدمی کا میدان ہے۔ ملک اعجاز، اب تم اپنے محلے سے نِکل کر نیشنل لیول پر کام کرو گے۔ "بہ بانگ دہل" کراچی تک جاتا ہے۔"

اعجاز خاموشی سے اُسے دیکھتا رہا۔ جب بدیع الزمان نے اعجاز کی جانب سے کوئی لفظ نہ سنا تو دوبارہ بات شروع کی۔

"یہ بیمار کنبے کا نام پتہ ہے،" اُس نے ایک فائل سے کاغذ کا ٹکڑا نکال کر اعجاز کے ہاتھ میں دیا۔ "تازہ ترین صورتِ حال یہ ہے کہ جوان لوگ تو کم و بیش تندرست ہو گئے، مگر بڈھا، اور بڈھی ابھی تک چارپائی پر پڑے ہیں۔ نیچے اُس ڈاکٹر کا نام پتہ درج ہے جو اُن کا علاج معالجہ کر رہا ہے۔ یہ قصبہ تمہارے علاقے سے دُور نہیں ہے۔ اِس سے واقف ہو؟"

"اعجاز نے کاغذ پہ لکھی ہوئی تحریر پڑھی۔ "پُل کھنگر۔ ہاں، جانتا ہوں۔"

"پھر ٹھیک ہے۔ بعد ازاں تیسرا کام گھی مِل کے کسی ٹیکنیکل آدمی سے معلومات حاصل کرنا ہوں گی۔ اِس کا طریقہ یہ ہے کہ اِس مِل کی بجائے کسی دُوسری مِل کے انجینئر یا کیمسٹ سے مل کر معلومات حاصل کی جائیں۔ جب ساری مکمل رپورٹیں ہاتھ میں آ جائیں تو پھر از میرمل میں جا کر اُن کے سامنے رکھ دی جائیں۔ دیکھیں کہ وہ کیا کہتے ہیں۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

جو کچھ وہ کہیں اُسے بھی چھاپ دیا جائے۔"

"دوسری ملوں سے کس قسم کی معلومات حاصل کی جائیں گی؟" اعجاز نے پُوچھا۔

"ہاں،" بدیعُ الزمان ہاتھ اُٹھا کر بولا، جیسے اُسے اپنی گفتگو میں چھوڑا ہُوا کوئی حِصّہ یاد آگیا ہو۔ اُس نے ڈبیا سے دوسرا سگریٹ نکال کر پہلے سگریٹ سے سلگایا۔ "میرے گراؤنڈ ورک سے یہ انفرمیشن نِکلی ہے کہ گھی بنانے کے عمل میں ایک آخری سٹیپ ہے جس سے مضر رساں زہریلے مادوں کے ذرات صاف کئے جاتے ہیں۔ کئی ملوں والے اِسے گول کر جاتے ہیں، کیونکہ اِس عمل کو حذف کر دینے سے گھی کی ظاہری حالت، یعنی خُوشبو، ذائقے، سختی نرمی میں کوئی فرق نہیں پڑتا۔ اِس طرح مِل مالکوں کی بچت ہو جاتی ہے، خرچہ کم ہوتا ہے، کچھ نہ کچھ مشینری بچتی ہے، مزدُوریاں کم ہو جاتی ہیں، مطلب یہ کہ نفع کی شرح بڑھ جاتی ہے۔ نقصان صارفین کا ہوتا ہے۔ ہمارے ملک میں اب یہ دستور بن گیا ہے، کہ پہلے پہل تو چیز ٹھیک بناؤ، جب مارکیٹ میں اسٹیبلش ہو جاؤ، تو بچتیں کرنے کے لئے کوالٹی خراب کرتے جاؤ، صارفین جائیں جہنم میں۔ یہ تو ہے موٹی موٹی بات۔ مگر پبلش کرنے کی غرض سے ہمارے پاس نہ صرف یہ کہ ٹھوس ثبوت ہونے چاہئیں، بلکہ ٹھوس تفصیلات کا ہونا بھی ضروری ہے۔ موٹی سوٹی بات پر ایسی رپورٹیں شائع نہیں کی جا سکتیں۔"

کچھ دیر کے بعد اعجاز تہہ کیا ہُوا کاغذ جیب میں ڈال کر اُٹھ کھڑا ہُوا۔ "میں کوئی وعدہ نہیں کر سکتا،" وہ ہنس کر بولا۔ "مجھے پتا نہیں کہ کس حد تک میں اِس کام کو نبھا سکوں گا۔"

"میری جان،" بدیع الزمان بے تکلفی سے اُس کے کندھے پر ہاتھ رکھے ساتھ ساتھ سیڑھیاں اُترتے ہُوئے بولا، "ایک بار ہاتھ تو ڈال کے دیکھو، تمہیں خُود ہی پتا چل جائے گا۔ میں تمہیں ایک بات بتاتا ہوں، غور سے سنو۔ فرض کرو کہ تم کسی دُوسرے شہر میں سفر کرتے ہوئے پہنچتے ہو جہاں تمہارا کوئی واقف کار نہیں، کوئی جاننے والا نہیں، تھوڑی دیر کو رُکے ہو، پھر آگے نِکل جاؤ گے۔ وہاں تم ایک گمنام کی حیثیت سے ایک بک سٹال پر جاتے ہو اور ایک پرچہ اُٹھا کے دیکھتے ہو، اور ورق اُلٹ کر پڑھتے ہو،" اُس نے انگوٹھا اور پہلی اُنگلی ایک دُوسرے کے قریب لا کر ایک چوڑی سی لکیر کھینچی، "ملک محمد اعجاز۔ اب تم

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اِس شہر میں گمنام نہیں ہو۔ واہ، یہ وہ نشہ ہے جو کسی دوسرے کام میں نہیں ہے۔ کیوں، ٹھیک ہے یا غلط؟" بدیع الزمان کو ایک ساتھ کھانسی اور شاں شاں کرتی ہوئی ہنسی کا مختصر سا دورہ پڑا۔ "ہاں، ایک ضروری بات تو بھول ہی گیا۔ کسی کو مت بتاؤ کہ تم پریس کے آدمی ہو۔ لوگ یہ سن کر گونگے بن جاتے ہیں۔ سوائے سیاست دانوں کے،" وہ پھر ہنستے ہنستے کھانسنے لگا۔ "کوئی اور تعلق واسطہ پیدا کرو۔ یہاں لالچ بھی چلتا ہے، منت بھی چلتی ہے، دھونس بھی چلتی ہے۔ میں ابھی تمہیں خرچہ ورچہ دینے کی پوزیشن میں نہیں ہوں، مگر کار آمد انفرمیشن حاصل کرنے کے لئے کسی کو تھوڑا بہت لینا دینا پڑے تو اِس کا بندوبست ہو جائے گا۔"

اعجاز نے خاموشی سے اُس کی باتیں سنیں۔ پھر وہ بدیع الزمان سے ہاتھ ملا کر رخصت ہُوا۔

تین چار روز تک اعجاز کاغذ کو جیب میں رکھے سوچتا رہا۔ اُسے احساس تھا کہ ایک بار وہ اِس کام میں پڑ گیا تو اُلجھ جائے گا۔ مگر ساتھ ہی بشیر اور اُس کے ٹولے کے خلاف اُس کے دِل میں جو رنج تھا وہ اُسے مجبور کر رہا تھا کہ ایک بار تو اِن لوگوں کو دِکھائے کہ اُسے برطرف کر کے کسی کونے میں لگانا آسان کام نہیں۔ سکینہ نے دو ایک بار زمین کے بارے میں بات چلانے کی کوشش کی تھی، مگر وہ ہاں یا نہ میں جواب دینے کی بجائے ٹال مٹول سے کام لیتا رہا۔ اُس کی ہمت نہ پڑتی تھی کہ سکینہ سے کہے کہ وہ اب شہر کے ایک اور کام میں مشغول ہونا چاہتا ہے۔ وہ تقریباً ہر روز منظور سے ملنے کے لئے جاتا اور تھوڑی دیر بیٹھ کر واپس آ جاتا۔ منظور سے اُس نے اِس بات کا ذکر کیا تھا، جس کے جواب میں منظور نے دُشمنوں کو غلیظ گالیاں دینے اور اِن کا سَر تن سے جدا کرنے کی پیشکش کرنے کے بعد اعجاز سے مکمل اتفاق کیا تھا۔

"ایک دفعہ تو اِن کی کارستانیاں دُنیا کو دکھاؤ، ملک جی۔ میرے ذمے جو کام لگاؤ کرنے کو تیار ہوں۔"

"ضرورت ہُوئی تو بتاؤں گا،" اعجاز نے کہا۔ "ابھی خاموش رہو۔ کسی سے ذِکر مت کرو۔"

"بس سمجھو لو زبان بند ہو گئی، خدا میری آواز گلے سے کھینچ لے جو ایک لفظ بھی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

میرے مُنہ سے نِکلے۔"

اعجاز نے دِل میں تہیّہ کر لیا تھا کہ ایک بار، بس ایک ہی بار، اِس معاملے کو پار لگانے کے بعد اِن سب کاموں سے کنارہ کش ہو جائے گا اَور کل وقتی توجہ اپنی زمینوں کے کاروبار اَور لڑکوں کی پرورش پر دے گا۔

پُل کھنگر جانے سے پہلے اعجاز نے نور پور جانے کا ارادہ کر لیا۔ بدیع الزمان نے جو لسٹ پہلے روز اُسے دکھائی تھی اُس میں نور پور کے رہنے والے دو ناموں میں سے ایک کو اُس نے پہچان لیا تھا۔ یہ دِتا کمہار تھا۔ جوانی کے زمانے میں دِتا کمہار علاقے بھر میں مشہور تھا۔ اُس کے ہاتھ میں اَیسا اثر تھا، اَور مٹی کی اُسے ایسی پہچان تھی کہ کہا جاتا تھا اُس کے ہاتھ کی بنی ہُوئی ہانڈی میں کھانے کا مزا بدل جاتا تھا۔ یہ ہانڈیاں لوگ ایک دُوسرے کو تحفتاً بھیجتے تھے۔ دِتے کمہار کا کوئی بچہ نہ تھا۔ اُس نے کسی رشتہ دار کا ایک یتیم بچّہ لے کر پالا تھا جو گیارہ برس کی عمر میں ہیضے سے مر گیا تھا۔ اب دِتا کمہار بوڑھا ہو چُکا تھا۔

"ملک جی آؤ، جی آیا نوں،" دِتا کمہار چارپائی پر لیٹا لیٹا کمزور سی آواز میں بولا۔ وہ ہڈیوں کا ڈھانچہ بن چُکا تھا۔ "آج سرکار ہمارے گھر میں کیسے اُتری ہے۔"

حال احوال دریافت کرنے کے بعد اعجاز نے پُوچھا کہ دِتے کی یہ صورت کیونکر ہُوئی۔

"اللہ نے روگ لگا دیا ہے سرکار۔ معدہ بند ہو گیا ہے۔ جو مُنہ میں جاتا ہے دو دو دِن تک چھاتی پر بیٹھا رہتا ہے، یا اُسی وقت پھُر پھُر کر کے نِکل جاتا ہے۔ اندر کی خبر خراب ہے ملک جی، آٹا دانا پنڈے کو نہیں لگتا، ماس گھلتا جاتا ہے۔ دوا دارو بڑا کیا، کوئی افاقہ نہیں ہُوا۔"

"کس کا علاج کرتے رہے ہو دِتے؟" اعجاز نے پُوچھا۔

"حکیم حاذق کا جی، بڑا سیانا ہے۔ اُس کا باپ بھی سیانا تھا۔ حکیم حاذق نے اُسی سے علم سیکھا ہے۔ نبض دیکھ کر بیماری بتا دیتا ہے۔"

"تجھے تو تندرست نہیں کیا دِتے،" اعجاز ہنس کر بولا۔

"مجھے تو اللہ نے روگ لگا دیا ہے،" دِتا کمہار ٹھنڈی سانس بھر کو بولا، "جسے اللہ مارے، اُسے کون رکھے۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"کوئی کھانے پینے میں تو بدپرہیزی نہیں کی تو نے؟"

"غریب آدمی سے کیا پُوچھتے ہو ملک جی۔ غریبی سب سے بڑی بدپرہیزی ہے۔ باقی دال روٹی کھا کر عمر گزاری ہے، کوئی روگ نہیں لگا۔ سب چیز گھر میں ثابت آتی ہے۔ دانے کمہاری چکی پر پیستی ہے، مرچ مسالہ ثابت لا کر دوری ڈنڈے میں رگڑتی ہے۔ نمک بھی ڈلی لے کر کُوٹتے ہیں، سستا پڑتا ہے۔"

"تیرے پاس پہلے کوئی آدمی آیا تھا؟"

"ایک خدا کا بندہ آیا تھا۔ پُوچھ گچھ کرتا رہا۔ اُس نے خیال دوڑایا کہ میں نے جو تھندا کھایا ہے اُس میں خرابی تھی۔"

"بی بی کمہاری نے بھی تو کھایا ہو گا۔"

"اُس کو بھی شکیت ہو گئی تھی۔ پر وہ دس دن کے اَندر اُٹھ کھڑی ہُوئی۔ میرے اَندر تو زہر بیٹھ گیا ہے۔"

"وہ تھندا کدھر سے لیا تھا؟"

"پہلے تو نائیوں سے لیتے تھے۔ پھر اُن کی بھینس مر گئی، دُوسری گبھن ہو کر سوکھ گئی۔ اُس کے بعد تھورا بہت ضرورت کے مطابق دکان سے ہی خرید لیتے ہیں۔"

"اُس بندے نے دکاندار سے بھی پُوچھ گچھ کی تھی؟" اعجاز نے پُوچھا۔

"ہاں جی۔ دُوسری دفعہ پھر آیا تھا۔ کہتا تھا دکاندار سے ڈبہ لے کر آیا ہے۔ تھندا غلط ہے۔"

"تیرا کیا خیال ہے دِتے؟"

"میری تو جان کو روگ لگ گیا ہے ملک جی، اُٹھ کر بیٹھ نہیں سکتا، خیال کدھر سے آئے گا۔"

"حکیم حاذق کیا کہتا ہے؟"

"کہتا ہے میرے اَندر زہریلا مادہ پیدا ہو گیا ہے۔ مجھے بتاؤ کہ دال روٹی میں کیا زہر ہو گا۔ دال نہیں تو پودنے اَور مرچوں کی چٹنی اَور روٹی، دھنیئے مرچوں کی چٹنی اَور روٹی، ٹماٹر مرچوں کی چٹنی اَور روٹی، پیاز مرچوں کی چٹنی اَور روٹی۔ مہینے دو مہینے میں سیپیوں سے کچھ گوشت مِل جاتا ہے تو پکا لیتے ہیں۔ مگر پیٹ کو گوشت کی عادت نہیں پڑی، ہضم نہیں ہوتا،

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

مزے کے پیچھے کھا لیتے ہیں۔"

"اچھا دِتے، اللہ اپنا کرم کرے گا۔ پھر آؤں گا۔"

"آپ کا کرم ہے ملک جی، آپ چل کر میرے گھر آئے ہیں۔ ہماری کیا حیثیت ہے۔"

نور پور سے واپسی پر اعجاز ملکوں کے بھٹے کے قریب سے گزرا تو اُسے ایک مانوس سی شکل دکھائی دی۔ ایک جوان مزدور عورت ساتھ والے کھیت سے نکل کر بھٹے کی جانب چلی جا رہی تھی۔ اعجاز نے موٹر سائیکل روک لی اور اُسے دیکھنے لگا۔ اُس نے ذرا سی ذرا کو عورت کی شکل دیکھی تھی جب عورت نے بھٹے کی طرف رخ کرنے سے پہلے ایک لمحے کو سڑک کی جانب دیکھا تھا۔ وہ ایک پُرکشش عورت تھی۔ اُس کی خستہ حالی میلے کچیلے کپڑوں اور ننگے پاؤں سے ظاہر ہو رہی تھی۔ اعجاز ذہن پر زور دے کر یاد کرنے کی کوشش کرنے لگا کہ اُس نے پہلے اُس عورت کو کہاں دیکھا تھا۔ کیا اِسی بھٹے پہ، یا کسی اور پہ، یا مزدوروں کے کسی مجمعے میں، کسی جلسے جلوس میں؟ اُس عورت کی چال میں بھی اعجاز کو مانوسیت محسوس ہو رہی تھی۔ عورت جا کر دوسری مزدور عورتوں کے ساتھ بیٹھ گئی اور سانچوں میں مٹی بھرنے لگی۔ اعجاز بے خیالی میں اُسے دیکھ رہا تھا۔ اُچانک اُسے احساس ہوا کہ ساری مزدور عورتیں اور دو چار مرد دور سے اُسے دیکھ رہے تھے۔ وہ جھینپ کر موٹر سائیکل پر سنبھلا اور وہاں سے چل پڑا۔ کچھ دور تک اُس کے دماغ میں کھدبد لگی رہی، پھر یہ سوچ کر کہ اِس شکل و صورت کی کوئی اور عورت اُس نے کہیں دیکھی ہوگی، اِس خیال کو ذہن سے خارج کر دیا۔

دِتا کمہار حکیم حاذق کا علاج کر رہا تھا، جس کی کوئی وزنی حیثیت نہ تھی۔ پل کھنگر کا ڈاکٹر ایم بی بی ایس تھا۔ صاحب فراش آدمی سے، جس کا نام رحیم چوہان تھا۔ جن معلومات کی ضرورت تھی حاصل کی جا چکی تھیں۔ اِس کے بعد سب کچھ ڈاکٹر کے ہاتھ میں تھا۔ اب ڈاکٹر تک رسائی حاصل کرنے کی حاجت تھی اور واسطہ جہانگیر کا تھا۔ پل کھنگر شجاع آباد سے دس بارہ کوس کے فاصلے پر واقعہ تھا اور ملک جہانگیر کے حلقے میں آتا تھا۔ کسی زمانے میں وہاں پر ایک برساتی نالا ہوا کرتا تھا۔ پھر خبر آئی کہ پیچھے پہاڑوں میں سڑک کی تعمیر کے لئے کٹائی شروع کر دی گئی۔ برساتی نالا آہستہ آہستہ خشک ہو گیا۔ کچھ عرصے کے بعد اُس

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کی زمین پر زمینداروں نے قبضہ کر کے کاشت شروع کر دی، مگر پُل اپنی جگہ پہ کھڑا رہا۔ پُل کے پاس ایک قدیم بوہڑ کا جلا ہُوا درخت، جس کے بارے میں روایت تھی کہ سو سال پہلے اِس پہ آسمانی بجلی گری تھی، اُسی طرح ٹنڈ منڈ کھڑا تھا اَور ہر رات کو بیسیوں گدھوں کا بسیرا ہوتا تھا۔ قصبہ بوہڑ اَور پُل سے پہلے کا تھا یا بعد میں بنا تھا، مگر ہمیشہ سے پُل کھنگر کے نام سے مشہور تھا۔

اعجاز جہانگیر کے پاس پہنچا۔

"آؤ جی آؤ، ملک صاحب،" "جہانگیر اپنائیت بھرے تکلف سے بولا۔ "بڑی بڑی خبریں آ رہی ہیں۔ آپ نے تو کبھی قدم رنجہ نہیں فرمایا۔"

"کاروبار سے ہی فرصت نہیں ملی بھائی جہانگیر۔"

"کاروبار سے تو سُنا ہے تجھے فرصت ہو گئی ہے اعجاز، سچ سچ بتا۔ اپنوں سے کیا چھپانا۔"

"چھُپنے چھپانے کی کوئی بات نہیں۔ کافی عرصہ ہو گیا تھا وہی کام کرتے ہوئے۔ سوچا کہ اب کچھ اَور کرنا چاہئے۔"

"سنا ہے اب تم حکومت کا اخبار چلانے جا رہے ہو۔"

اوں ہوں،" اعجاز نے نفی میں سر ہلایا۔ "ایک آزاد اخبار۔"

"آزاد؟"

"جمہوریت میں آزاد پریس کی ضرورت ہوتی ہے۔"

"درست ہے،" جہانگیر بولا، "ضرورت بھی اَور اہمیت بھی ہوتی ہے۔ مگر بھائی جان، جمہوریت ہو تو پھر بات ہے ناء۔"

"جمہوریت ہوتی نہیں بھائی جہانگیر، لائی جاتی ہے۔ آزاد پریس کو اَور دوسرے اداروں کو سخت جدوجہد کرنی پڑتی ہے، پھر کہیں بات بنتی ہے۔"

"درست۔ مگر کیا ہمارے سسٹم کا مزاج اسے برداشت کر لے گا؟"

"برداشت نہیں کرے گا تو ختم ہو جائے۔ سیدھی سی بات ہے۔"

"یہ سیدھی نہیں، بڑی ٹیڑھی بات ہے۔ مگر یہ بھی دیکھ لیں گے۔ سناؤ، کوئی سرفراز کی خبر؟"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"مہینے ڈیڑھ میں خط آ جاتا ہے۔ بس خیر خیریت ہوتی ہے۔ اِس سے زیادہ کچھ نہیں ہوتا۔ میرے خیال میں لمبے خط لکھنے کی اُنہیں اجازت نہیں ہے۔"

"اب تو میجر ہونے والا ہو گا۔"

"اُس کی منگیتر کے بھائی سے ملاقات ہوتی رہتی ہے۔ سرفراز کے ساتھ کا ہی ہے۔ مگر اپنے باپ کی سفارشوں وغیرہ سے فوج چھوڑ کر پولیس میں چلا گیا ہے۔"

"مجھے علم ہے۔ اے۔ایس۔پی ہو گیا ہے۔ بہت اچھا ہُوا، کبھی ہمارے تمہارے کام بھی آئے گا۔"

"وہ کہہ رہا تھا سرفراز کو ایک ڈیڑھ سال میں میجر کا رینک مِل جائے گا۔ مگر مجھے اِس بات کی کوئی پروا نہیں جہانگیر۔ میں کہتا ہوں خیر خیریت سے واپس آ جائے تو سمجھو سب کچھ مِل گیا۔"

"یہ تو ہم سب کی دعا ہے اعجاز۔ سرفراز ہمارا ہیرو ہے ہیرو۔ اَور سناؤ، سب خیر خیریت ہے؟"

"اللہ کا شکر ہے۔ میں پل کھنگر جا رہا تھا، سوچا کہ آپ سے ملتا چلوں۔ بڑی دیر سے ملاقات نہیں ہُوئی۔ پھر پل کھنگر بھی ایک غرض سے جا رہا ہوں۔"

"کیا ایسی غرض آ گئی،" جہانگیر بات سمجھ کر بولا۔ "میں کچھ کر سکتا ہوں؟"

"وہاں ایک ڈاکٹر ہے۔ احسان الحق۔"

"ہاں، ہے۔"

"اُس کے ساتھ کام ہے۔"

"کیوں، تندرست تو ہو؟"

"میں تندرست ہوں،" اعجاز ہنس کر بولا۔ "بات یہ ہے کہ کچھ لوگ خراب گھی بنا کر سپلائی کر رہے ہیں، جسے کھا کر لوگ بیمار پڑ رہے ہیں۔ پل کھنگر کے کئی لوگ بھی بیمار ہیں۔ ڈاکٹر سے اُن کی بیماری کی رپورٹ لینی ہے۔"

"تمہارا اِس قصے سے کیا واسطہ ہے؟"

اعجاز نے اصل بات چھپا کر رکھنے کا ارادہ کیا ہُوا تھا۔ "ایک فیکٹری ہے جس کے گھی کی رپورٹیں خراب ہیں۔ اُوپر سے وہ مزدوروں پر زیادتی کر رہے ہیں۔ تنخواہ کم دیتے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہیں، بونس نہیں دیتے، سٹاف سے بے ایمانیاں کرواتے ہیں۔"

"مگر تم تو یونین کا کام چھوڑ چکے ہو۔"

"رسمی طور پر الگ ہوا ہوں، مگر تعلق واسطہ تو رہتا ہے۔ آخر ایک عمر ان لوگوں کے ساتھ گزاری ہے۔ جب ضرورت پڑتی ہے تو یہ لوگ میرے دروازے پر آ جاتے ہیں۔ مجھ سے اِنکار نہیں کیا جاتا۔" جہانگیر نے آگے جھک کر اعجاز کے بازو پہ ہاتھ رکھا۔ "اعجاز،" وہ جذباتی لہجے میں بولا، "اِسی لئے میرے دِل میں تمہاری قدر ہے۔ تم اپنے دِل میں دُوسروں کا درد رکھتے ہوں۔ باتیں تو ہم بھی کرتے ہیں، مگر تم نے ثابت کر کے دکھایا ہے۔ اپنا نقصان کیا، مگر سیدھی راہ سے نہیں بھٹکے۔ ہم دونوں نے ساتھ ساتھ بڑا زمانہ دیکھا ہے۔ ہے کہ نہیں؟" اعجاز اُس کی غیر متوقع جذباتیت سے کچھ متعجب ہُوا۔

"درست۔ دُرست،" وہ سر ہلا کر بولا۔

"کبھی تم نے ہماری مخالفت کی، کبھی ہم نے تمہاری مخالفت کی۔ سیاست کی کوئی بات نہیں، گجر کی جیت گیا تو یہ زمانے کی ہوا ہے، آج اِدھر کی چل رہی ہے، کل اُدھر کی چلے گی۔ مگر اپنے اپنے ہی ہوتے ہیں۔ جب اصل ضرورت پڑی تو تم میرے ساتھ آ کھڑے ہُوئے۔ ہے کہ نہیں؟ اب میری زندگی گزر گئی ہے۔ تم سے کیا چھپانا اعجاز، میری صحت ٹھیک نہیں رہی۔ یہ مت سمجھو کہ میں نے جی چھوڑ دیا ہے۔ مگر اب تم جوان لوگوں کا زمانہ ہے۔ تمہارا اور سرفراز اور عالمگیر کا۔ اُدھر تمہارے بھائی پہ بوجھ پڑا ہُوا ہے، اِدھر میرے لڑکے پہ بوجھ آ پڑا تھا، خدا کا شکر ہے کہ گزر گیا۔ تم نے میری بڑی مدد کی، سب اپنوں نے کی، میں تیرا احسان مند ہوں۔"

"کیسی باتیں کرتے ہو بھائی جہانگیر۔ احسان تو آدمی غیروں پر کرتا ہے۔ اپنوں کی طرف سے فرائض ہوتے ہیں جو ادا کئے جاتے ہیں۔"

"سرفراز بھی گھر آئے گا،" جہانگیر نے اعجاز کی بات نظرانداز کرتے ہُوئے کہا، "سُرخرو ہو گا۔ ساری برادری کی نیک نامی ہو گی۔ جس دن وہ گھر آیا، ایسا جشن منائیں گے کہ دُنیا دیکھے گی۔ یہ تیرے ساتھ میرا وعدہ ہے۔"

"اِنشاء اللہ،" اعجاز نے کہا۔ "اِنشاء اللہ۔"

"یہ ڈاکٹر احسان،" جہانگیر نے کہا۔ "اپنا بچہ ہے۔ جو کہو گے کرے گا۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"پھر تو سمجھو کہ میرا کام ہو گیا۔"

"اُس کی تو فیس تک میں نے دی ہے،" جہانگیر گھٹنے پر ہاتھ مار کر فخر سے بولا۔

"اچھا؟"

"بھئی ملک کریم بخش کا لڑکا ہے ناء۔ کریم بخش عزت دار آدمی تھا۔ مگر حیثیت کا کمزور تھا۔ میرے پاس آیا، کہنے لگا لڑکے نے فرسٹ ڈویژن میں میٹرک پاس کیا ہے، اسے ریلوے میں نوکر کرا دو۔ میں نے دیکھا کہ لڑکا پڑھائی میں ہشیار ہے۔ میں نے کہا اِسے پڑھاؤ، خرچہ میں برداشت کروں گا۔ کریم بخش کہنے لگا، ہم نے جیسا تیسا گزارہ کیا ہے، مگر کسی کا ایک پیسہ دینے کا روادار نہیں ہوں۔ میں نے کہا کریم بخش تیرے اَور میرے سوا کسی کو خبر ہو جائے تو میں تیرا گناہگار، جو چور کی سزا وہ میری سزا۔ آدمی سمجھدار تھا، مان گیا۔ سات سال تک لڑکے کی پڑھائی کی فیس بھرتا رہا ہوں۔ آخری دِنوں میں کریم بخش نے مجھ سے کہا جو کچھ آپ نے کیا اُس کا بدلہ نہیں چُکا سکتا۔ تھوڑی سی زمین ہے، اپنے نام رجسٹری کرا لو۔ میں نے کہا کریم بخش، تیری ملکیت کا ایک انچ میرے اُوپر حرام ہے۔ تیرا لڑکا ڈاکٹر بن گیا ہے تو اپنی ذات برادری کی نیک نامی ہے۔ تیرے اُوپر میں نے کونسا احسان کیا ہے، یہ احسان تو تیرے لڑکے نے ہمارے اُوپر کیا ہے کہ پیسہ ضائع نہیں کیا، کچھ بن گیا ہے۔ آج کریم بخش اِس دُنیا میں نہیں رہا، اَور اعجاز تم پہلے آدمی ہو جس کے ساتھ میں نے اِس بات کا ذکر کیا ہے۔ کیونکہ میں جانتا ہوں تم بات کو دِل میں رکھو گے۔ میں نے اَپنے لڑکے کو بھی یہ بات نہیں بتائی، تاکہ کریم بخش کے لڑکے کا سر نیچا نہ ہو۔ میرے گناہوں کی سارا زمانہ بات کرتا ہے، نیکیوں کی کوئی نہیں کرتا۔ یہ دُنیا کا دستور ہے۔ یہ میرا رقعہ لے جاؤ۔" جہانگیر نے ایک کاغذ پہ چار حرف لکھے۔ "اُسے دے دینا۔ جو کہو گے کرے گا۔ لڑکا صرف پڑھائی لکھائی والا ہی نہیں، وَیسے بھی تیز ہے۔ سیاسی ذہن والا ہے۔ میں نے اُس سے کہا کہ میں دوڑ بھاگ کر کے تجھے شہر میں گورنمنٹ ہسپتال کے اَندر نوکری لے دیتا ہوں۔ کہنے لگا نہیں چاچا جی، میں اپنے گاؤں کے غریب لوگوں کی خدمت کرنا چاہتا ہوں۔ خدا نے چاہا تو یہاں بھی روزی دے دے گا۔ میرے دِل میں اُس کی قدر ہے۔"

کچھ دیر تک جہانگیر نظریں اَپنے سامنے ٹھہرائے خلاء میں دیکھتا رہا۔ پھر اُداس سی ہنسی ہنس کر بولا، "تمہیں پتا ہے، میں پل کھنگر کے پولنگ سٹیشن سے جیت گیا تھا۔"